اسلام کی نشأۃ ثانیہ،سید جمال الدین افغانی کی نظر میں

*ڈاکٹر مجیب الرحمٰن

Abstract:

Syed Jamal-ud-Din Afghani is very appreciable personality of Islamic History. He preached Islam in Arabia, India, Egypt and Afghanistan. His thoughts and views are praise worthy. He devoted his life to preach superiority of Islam. He got name and fame in Islamic world. He laid emphasis on Islamic rules and regulations, May Allah Almighty bless him.

عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معمار علامہ سید جمال الدین افغانی کی عظیم شخصیت ایک حیران کُن کرشمہ قدرت معلوم ہوتی ہے۔آپ افغانستان میں اکتوبر 1838ء میں پیدا ہوئے اور روایتی ماحول میں پرورش پائی۔ لیکن ترقی پسند رجحانات، روشن افکار، سیاسی فہم وفراست، دینی بصیرت اور انقلاب آفرین قوتِ عمل کے باعث وہ اپنے دور کے عظیم ترین مسلمان رہنما اور اسلامی دنیا میں ملی بیداری، سیاسی آزادی اور روشن خیالی کے ایک نئے دور کے بانی ثابت ہوئے۔(1)

سید جمال الدین افغانی اس چشم بصیرت کے مالک تھے۔ جو ہر طوفان کے آنے سے پہلے ہی اس کے آثار سے طوفان کی وسعتوں اور تباہ کاریوں کو دیکھ لیتی ہے۔آپ اس دل ودماغ کے حامل تھے۔جس پر مزاج گردش ایام پوری طرح واضح رہتا ہے۔سید صاحب نے عرب وعجم، ہندوستان، مصر،افغانستان غرضیکہ ہر جگہ ہزاروں طرح کی مصیبتیں جھیل کر بھی سرورِ کائنات حضرت محمدﷺ کا پیغام سنایا۔

اس حیرت انگیز انسان کی سرگرمیاں عملاً پوری دنیائے اسلام اور ان یورپی ممالک پر بھی حاوی رہیں۔جن کی حکومتیں مسلمان قوموں کے معاملات سے سیاسی واسطہ رکھتی تھیں۔افغانستان،ایران،ترکی،مصر،ہندوستان سب سے وقتاً فوقتاً سید صاحب کا قوّت آموز ربط پیدا ہوا۔اور یہ سب اس ربط سے متاثر ہوئے۔(2)

سید جمال الدین کی تمام انتھک کوششوں اور مسلسل شورشوں کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ تمام مسلم اقوام ایک حکومتِ اسلامی کے ماتحت متحد ہو جائیں۔اور ان سب پر ایک خلیفہ المسلمین کا قطعی اور کلّی اقتدار ہو جس طرح

*اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بہاولپور

اسلام کے پُر افتخار دَور میں ہوتا تھا۔ بعد میں اسلام کی متحدہ طاقت متواتر اختلافات اور نزاعات سے منتشر ہوگئی۔ اور مسلمان ملک جہالت اور بے بسی میں غرق ہوکر مغربیوں کی چیرہ دستی کا شکار ہوگئے۔(3)

مسلمان ملکوں کی موجودہ حالتِ انحطاط سیّد جمال الدین کو ہمیشہ غمگین رکھتی تھی۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اگر یہ ممالک ایک دفعہ بیرونی تسلّط اور مداخلت کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں اور اسلام کے مروجہ مفہوم (جو ان کی ترقی میں رکاوٹ بن رہا ہے) میں قرآن وسنت کی حقیقی تعلیمات کے مطابق ایسی اصلاحات کر دی جائیں جن سے یہ زمانہ حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کر سکے تو مسلمان قومیں یورپی قوموں کے سہارے یا ان کی نقالی کے بغیر اپنے لیے ایک جدید اور شان دار زندگی کا نظام تیار کرسکتی ہیں۔(4)

جن لوگوں نے مذہبی علوم کی تحصیل کے لیے سید جمال الدین سے وابستگی اختیار کی۔ ان کی تعداد کم تھی۔ لہذا ادبی احیاء زیادہ تر ''افندی'' ☆ یا متفرنج طبقے کے ہاتھوں ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ گو سید صاحب تعلیمی اور مذہبی اصلاحات پر بہت زیادہ توجہ کرتے تھے لیکن جو لوگ ان کی تلقین سے متاثر ہوکر ایسی اصلاحات کی ترویج میں کوشاں ہوتے تھے۔ وہ صرف چند ہی تھے کیونکہ انہیں سیاسی شورش قومی آزادی کے حصول کا سریع اور آسان ذریعہ معلوم ہوتی تھی۔ اور اس سے انہیں اس بات کا موقع بھی ملتا تھا کہ قوم پرستانہ جذبات کا پُر شور اظہار کرسکیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں سیّد صاحب جن سنجیدہ اور بنیادی اصلاحات کی حمایت کرتے تھے ان میں مخلصانہ کام کرنے والے کم ملتے تھے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی تعلیمات میں تعمیری تصوّرات بھی بنیادی حیثیت رکھتے تھے جس کا ثبوت محمد عبدہ ☆☆ کی زندگی اور ان کے کام میں ملتا ہے۔ جو سیّد صاحب کے شاگردوں میں اپنے استاد کے خیالات کی پیروی میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔(5)

سید افغانی کا تصور نشاۃ ثانیہ:

سید صاحب کی تعلیمات کے تعمیری پہلو کی ایک مثال ان کی کتاب ''الرّد علی الدھریین'' کے آخر میں نظر آتی ہے۔ جہاں انہوں نے ایک فصل اس عنوان سے لکھی ہے کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن سے قوموں کو مسرت حاصل ہوسکتی ہے''۔ اس مختصر بیان میں سیّد صاحب کے بہت سے اساسی تصوّرات موجود ہیں۔ جو مکمل طور پر محمد عبدہ کی ☆حسن

آفندی اس وقت عالم اسلام کے لئے خلیفہ کا درجہ رکھتے تھے ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات قانون کا درجہ رکھتی تھی۔

☆☆ محمد عبدہ سید جمال الدین کے شاگرد تھے۔ پیدائش 1842/1258 مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں نصر میں پیدا ہوئے انہوں نے علامہ افغانی کے فارسی رسالہ ''حقیقت مذہب، نیچری و نیچریان'' کا ترجمہ عربی میں کیا تھا۔

تعلیمات میں بدرجہ اتم نظر آ تا ہے۔ چونکہ یہ موضوع اس اعتبار سے دوگونہ اہمیت رکھتا ہے۔اس لیے اس کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ قوموں کی مسرت وخوشحالی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ:

ا۔ عوام کے قلوب واذہان کوضعیف الاعتقادی اوراوہام پرستی سے پاک کیا جائے۔

اسلام کا تقاضا یہی ہے خصوصًا اس لیے کہ توحید الٰہی کے عقیدے کالازمہ یہ ہے کہ دماغوں کا تزکیہ کیا جائے۔

۲۔ عوام محسوس کریں کہ وہ حسنِ کردار کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔اوراس کے خواہشمند بھی ہیں۔صرف ایک ہی چیز ہے جوخواہش سے حاصل نہیں ہوسکتی۔اوروہ نبوت ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کسی کوعطا کرتا ہے۔اگرسب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ان کے لیے تکمیلِ کردار کا حصول ممکن ہے تو وہ اس کے حصول کے لیے ایک دوسرے پرسبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔

اسلام نے تکمیل تقوٰی کوسب کے لیے ممکن بنادیا ہے۔یہ برہمنیت کی طرح نہیں جس میں انسان ذاتوں میں تقسیم کردیئے جاتے ہیں اوران کے حدود سے تجاوز ناممکن ہے۔نہ یہودیت کی مانند ہے جودوسرے مذاہب کے لوگوں سے نفرت کرتی ہے۔اوراپنے دائرہ کے اندر احبار ورہبان کی ایک ذات معین کردیتی ہے۔جوخدا سے قریب تر ہے۔اور جس کے توسل کے سوا کوئی شخص قُربِ خداوندی حاصل نہیں کرسکتا۔

۳۔ قوم کے مذہبی عقائد پہلی چیز ہیں۔ جولوگوں کوسکھانے چاہئیں لیکن یہ عقائد محض تقلید پر مبنی نہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ ان عقائد کی تائید میں ضروری دلائل و براہین کی تعلیم بھی ضروری ہے۔اسلام اس اعتبار سے دنیا بھر کے مذاہب میں یکہ وتنہا ہے کہ وہ انسان کی عقل کومخاطب کرتا ہے۔اوراس سے مطالبہ کرتا ہے کہ مذہبی عقائد کومحض دعوے اورمفروضے کی بنا پرنہیں بلکہ عقلی دلائل کی بنا پرتسلیم کرے اس کے برعکس دوسرے مذاہب ہیں۔مثلاً ایک مذہب اس عقیدے کا متقاضی ہے کہ واحد ایک سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔اور متعدد واحد بھی ہو سکتے ہیں۔اس عقیدے کے ماننے والے اس کواس بنا پرحق سمجھتے ہیں کہ یہ مافوق الادراک ہے۔اورعقل سے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

۴۔ ہرقوم میں ایک مخصوص طبقہ ہونا چاہیے جس کا وظیفہ تعلیم عوام ہے۔ایک اورطبقہ ایسا ہونا چاہیے جولوگوں کی اخلاقی تربیت کا ذمہ لے۔یہ دونوں کارکن یعنی تعلیم پھیلانے والا معلم اور''**امر بالمعروف اور نهي عن المنكر**'' کرنے والا ضابط اسلام کے اہم ترین تقاضوں میں سے ہے۔(6)

لہذا اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی وساطت سے اقوام کی مسرت وخوشحالی حاصل ہوسکتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھرمسلمان آج کل بدحالی کا شکار کیوں رہے ہیں؟ تو اس کا جواب قرآن مجید

کے الفاظ میں یہ ہے کہ "انّ اللہ لا یغیّر ما بقومٍ حتیٰ یغیّروا ما بانفسھم"(7)اللہ کسی قوم کی حالت کونہیں بدلتا جب تک وہ آپ اپنی حالت کو نہ بدلے۔

مسلمان اپنی نشاۃ وارتقاء کے ابتدائی دور میں اپنے پہلے مرکز سے اٹھ کر مختلف ممالک کی طرف روانہ ہوئے اوران پر فتح پاتے اور قبضہ کرتے چلے گئے۔انہوں نے بڑی بڑی حکومتوں کو زیروزبر کرڈالا اور بڑی بڑی قوموں کومغلوب کر کے اپنا محکوم بنالیا۔ یہ کام انہوں نے اس تیزی اورخوبی سے کیا کہ عقلیں دنگ رہ گئیں۔ بیرنی کے پہاڑوں سے لے کر جو ہسپانیہ اورفرانس کے حد فاصل پر واقع ہیں دیوارِچین تک ان کا تسلّط قائم ہوگیا اگرچہ وہ تعداد میں تھوڑے تھے ان کے پاس ساز وسامان کی کثرت نہ تھی اورمختلف آب وہواؤں میں زندگی بسر کرنے اور مختلف ممالک کے حالات سے جلیل القدر بادشاہوں کی نیندیں حرام کردیں اور اپنے وقت کے کئی قیصروں اور کسراؤں کوتخت سے اتاردیا یہ ایک عظیم الشان معجزہ تھا،ان مجاہدوں نے بڑے بڑے شہروں کو زیروزبر کرڈالا۔عظیم الشان پہاڑوں کوعبور کیا۔زمین کے اوپر گرد وغبار کی ایک دوسری زمین پیدا کی۔ان کے گھوڑوں کے سموں نے کئی سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیوں کوزمین میں ملادیا اوران کے ہاتھوں نے ان پہاڑوں کے بدلے ان سرکشوں کی کھوپڑیوں سے نئے نئے پہاڑ اور ٹیلے کھڑے کئے جنہوں نے ان کی قوت وسلطنت کے آگے سرتسلیم خم کرنے سے انکار کیا تھا۔ ان کے خوف سے ہر دل پر لرزہ طاری ہوگیا۔اوران کی دھاک ہرطرف بیٹھ گئی۔شجاعت اور بہادری کے ان تمام مظاہر میں ان کی قیادت کرنے اور ان کی ہمتوں کو اکسا کر آگے بڑھانے والا کون تھا؟ یہی قضا وقدر کا اعتقاد۔(8)(قضاءاورقدر کے متعلق مضامین جمال الدین افغانی میں (مترجم محمد عبدالقدوس ہاشمی) قضاءقدر بڑا ہی اچھا عقیدہ ہے جودلوں کو بزدلی کی رذیل خصلت سے پاک کرتا ہے)۔

یہی قضاوقدر کا اعتقاد جس کے بل بوتے پر کبھی مسلمانوں کی ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسے ایسے بھاری لشکروں کے مقابلہ میں جم کرلڑی جن کی کثرت تعداد کا یہ عالم تھا کہ وہ فضا کی وسعتوں اور روئے زمین کی کشادگیوں سے بھی بڑے نظر آتے تھے اورنہ صرف جم کرلڑی بلکہ اکثر موقعوں پران کے پاؤں اکھاڑ دیئے اورانہیں پشت دکھانے پرمجبور کردیا۔(9)

آج بھی مسلمان وہی ہیں۔ یہ ممالک اوراوطان جوان کواپنے متقدمین سے وراثت میں ملے ہیں۔ان کے وجود سے معمور ہیں۔ان کا شمار ۲۰ کروڑ سے کسی حالت میں کم نہیں۔ان کے دلوں میں دینی عقائد کا بے پناہ جوش وخروش موجود ہے۔اس لئے ہر خطے کے مسلمان اپنے ہمسایہ ممالک کے باشندوں کی بہ نسبت زیادہ دلیر،نڈراور جاں

نثار ہیں۔انہی عقائد کی بنا پر وہ دنیوی زندگی اور اس کے دلفریب شان وشکوہ کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔قرآن کریم نے ان کے سامنے اپنی محکم آیات پیش کیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ اپنے عقائد کو حجت اور برہان کی روشنی میں پرکھ لیں۔اور ظنون واوہام کے گورکھ دھندوں سے نجات حاصل کریں۔قرآن کریم ہی نے انہیں انسانی فضائل اور بہترین حکیمانہ اوصاف سے متصف ہونے کی تعلیم دے کر ان میں فضیلت وشرف کا احساس پیدا کیا۔اسی وجہ سے ان کی عقلیں روشن اور اذہان سب سے زیادہ بیدار ہیں۔کسب کمالات کے لیے ان کی استعداد بہت قوی اور توانا ہے ان کی طبیعتیں اخلاقی اقدار اور سلامت روی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ بلکہ بسا اوقات وہ شرافت کو اپنی اور صرف اپنی واحد ملکیت سمجھتے ہیں۔ان کی سچی کتاب ان سے وعدہ کرتی ہے کہ باطل کی ساری معرکہ آرائیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی شان کو بلند و بالا ہی رکھے گا اور اسی وجہ سے وہ اپنے اوپر کسی غیر کی سطوت وسلطنت برداشت نہیں کرسکتے۔کسی غیر مسلم طاقت کو نبرد آزمائی اور زرافشانی کے کتنے ہی کرتب کیوں نہ یاد ہوں کسی مسلمان کے تصور میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ وہ کبھی اس کے سامنے سپر انداز ہوگا۔عقائد کے مضبوط رشتے نے ان کے درمیان وہ پائیدار اتحاد اور اخوت پیدا کررکھی ہے کہ پنجہ اغیار میں کسی مسلمان کے گرفتار ہونے کو باقی تمام مسلمان اپنی قید اور اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں۔ یہ احساس ان کے وجدان میں شامل ہے،اور کوئی پہلو،کوئی فریب اسے ان کے دلوں سے نہیں مٹا سکتا۔(10)

حکومت اسلامیہ کے قیام واستحکام کے لیے اتفاق پر ایمان رکھنے کی ضرورت اتنی بدیہی ہے کہ اسے سیکھنے سکھانے کے لئے نہ کسی معلم کی ضرورت ہے اور نہ کسی تفصیل وتوضیح کرنے والی کتاب یا کثیر الاشاعت رسالے کی حاجت، لکھے پڑھے افراد کو جانے دیجیے۔معمولی سمجھ بوجھ کے مسلمان بھی جب مسلمانوں کے اختلافات اور اغراض ومفادات کے تصادم کی خبریں سنتے اور ان کے ملّی مصائب کا مطالعہ کرتے ہیں تو شدّتِ غم میں سرد آہیں بھرتے اور آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں۔اے کاش! یہ گمراہ جاگیردار نواب، یہ وقار اور عزت کے لالچ میں ڈوبے ہوئے انسان مسلمانوں میں پیدا ہی نہ ہوتے۔اس وقت مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک مسلمان آپس میں متحد ہوجاتے اور سب کے سب ایک اسلامی آواز اور متحدہ اعلان پر لبیک کہتے ہوئے ایک مرکز پر آجاتے۔

مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تین اصولی چیزوں کی ضرورت ہے:

۱۔ ان تدابیر کو اچھی طرح سمجھ لینا جن کے ذریعہ خطرات کی مدافعت کی جاسکتی ہے۔

۲۔ خطرات پیش آتے ہی ان کی مدافعت میں ہمہ تن مشغول ہونا اور اس مہم میں اتفاق رائے سے کام لینا۔

۳۔ آنے والے خطرات کا حقیقی احساس کر کے ایک دوسرے کے ساتھ دلی ہمدردی رکھنا اور اخوت کے رشتہ میں منسلک ہو جانا۔(11)

علامہ نے اپنی پوری زندگی اور اپنی تمام صلاحیتیں اسلام کے فروغ اور اسلامی ممالک کی آزادی واستحکام اور ملت اسلامیہ کے اتحاد وترقی کے لیے وقف کر دیں یہی ان کا مقصدِ حیات تھا، جسے حاصل کرنے کے لیے وہ مجاہدانہ جوش وخروش سے سرگرم عمل رہے اور جبر واستبداد، جمود و جہالت اور ظلم واستحصال کی تاریکیوں میں عدل و مساوات، روشن خیالی، جہد وعمل اور حریت پسندی کی شمعیں روشن کرتے رہے۔ انہوں نے عملی زندگی کے وسیع میدان میں جب قدم رکھا تو ان کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی اور آئندہ چالیس سال، تادمِ وفات وہ حصولِ مقصد کے لیے حیرت انگیز قابلیت اور ناقابلِ شکست عزم واستقلال کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔علامہ افغانی روشن خیال متبحر عالم بھی تھے اور حریت پسند سیاسی مدبر بھی۔ وہ انقلاب کے داعی تھے، اور عالم اسلام میں دینی وملّی بیداری پیدا کرنا ان کی جدوجہد کا بنیادی مقصد تھا۔انہوں نے مذہبی جمود کو توڑا اور علمائے دین میں روشن خیالی اور حبِ ملّی پیدا کر کے سیاسی انقلاب کی راہ ہموار کر دی۔ان کی سیاسی بصیرت، تدبر وفراست، حریت پسندی اور قیادت کی خداداد صلاحیت کی بدولت اسلامی ممالک میں وہ سیاسی شعور پیدا ہو گیا، جس نے خوابیدہ ملتوں کو بیدار کر دیا اور داخلی جبر واستبداد اور خارجی استعمار وجارحیت کو ختم کرنے کی جدوجہد نے انقلابی تحریکوں کی شکل اختیار کر لی۔(12)

نشاۃ ثانیہ میں تعمیری صحافت کا کردار:

مصر میں عوام کے لیے سب سے پہلے علامہ جمال الدین افغانی نے محسوس کیا۔ وہ اپنے زمانے کے ایک عظیم ترین صحافی تھے۔اور صحافت سے تعمیری کام لینے کا ایک واضح نقشہ ان کے ذہن میں موجود تھا۔اس کا اندازہ ان کے ایک مضمون ''فوائد جرائد'' جس کو قاضی عبدالغفار نے اپنی تالیف آثار جمال الدین افغانی میں تحریر کیا ہے کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے کیا جا سکتا ہے۔

اخبار وہ بے مثل صناعت ہے کہ اس کا موضوع عوام کے احوال اخلاقی وقومی اور اس کی غایت اصلاح اخلاق امت وجلب سعادت وامن وامان اپنی قوم بلکہ تمام قوموں کیلئے ہے۔اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

ا۔ ایسا اس لیے ہے کہ جریدہ ارباب فضائل کی فضیلت بیان کرنے میں مسابقت کرتا ہے۔اوّل تو ان کی بجائے مدح کرنے کے خیال سے جو صاحب فضیلت کا حق ہے اور ثانیاً اس لیے کہ اس مدح کو پڑھ کر دوسروں کو فضائل حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

۲۔ اور رذائل پر نقطہ چینی کرتا ہے کیونکہ ان کے ضرر متعدی ہیں۔ اس طرح وہ دوسروں کو روکتا ہے۔ ان حرکات کے ارتکاب سے جو رذائل کرتے ہیں۔

۳۔ اخلاق جمیلہ کے منافع کا ایسا بیان شافی کرتا ہے کہ عوام اس سے فائدہ اٹھاسکیں اور خواص بھی بے بہرہ نہ رہیں۔ ہر روز وہ اپنا فرض سرانجام دیتا ہے اور بری خصلتوں اور ان کی مضرتوں کو عام انسانوں سے دل پذیر عبارتوں میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

۴۔ عام لوگوں کے لیے علوم کے فوائد کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ہر شخص کو یقین ہو جائے کہ امت کی سعادت علوم حقہ اور معارف حقیقی کی وجہ سے ہے۔ بغیر ان کے نہیں۔ اور جہل کے نقصان وخسارہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ہر جاہل وغبی اعتراف کر لے کہ ہر بلا اور مصیبت ونقصان جو اس کو پہنچا ہے جہل کی وجہ سے پہنچا ہے۔

۵۔ علوم کے درجات کو عالم انسانی میں ان کے فوائد کی نسبت سے قرار دیتا ہے اور ہر ایک کے لوازم کی مقدار کو دلیل سے ثابت کرتا ہے تا کہ نادان اپنی عمروں کو ضائع نہ کریں اور اس فائدہ سے جو حصول علم میں مشغول رہنے سے حاصل کیا جاتا ہے محروم نہ رہیں۔

۶۔ اور منافع کی ضرورت کو جو عالم مدنیت میں علوم کا نتیجہ ہے۔ ثابت کرتا ہے اور دلائل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ بغیر قناعت میں ترقی کیے رفاہیت حاصل نہیں ہوتی۔

۷۔ اور تمام معارف ضروریہ کا مثلاً جغرافیہ، طبیعیات، فلکیات، زراعت، حرفت، طب، تربیت منزلی، تنظیم بلاد، تربیتِ اولاد اس طرح ذکر کرتا ہے کہ عوام الناس ان سے بہرہ ور ہوں۔

۸۔ فضیلت انسانیت کی تشریح کر کے اغنیا اور ارباب دولت کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور مضامین لکھ کر علوم ومعارف وضائع اور قیام دارالشفاء وغیرہ کی ترغیب دیتا ہے۔

۹۔ اور ہم جنسوں کو بڑھانے اور نفوس کو زندہ کرنے کی غرض سے بزرگان سلف و اجداد سابقہ کا ان کے اولادوں کے سامنے ذکر کرتا ہے۔ اس طرح کہ وہ بھی ان کی روایات کو اپنا فرض سمجھیں۔

۱۰۔ گزری ہوئی قوموں کے احوال واخبار کو تفصیل کے ساتھ درج کرتا ہے۔ اہل قوم ان کے حال پر نظر کر کے اگر اہل سعادت ہیں تو اجتہاد کریں اور اصلی اسباب کو سمجھ کر اپنی ہمت بڑھائیں اور عزت وحمیت کو متحرک کریں اور اگر اہل شقا ہیں تو عبرت حاصل کر کے اس کے اسباب سے اجتناب کریں۔

۱۱۔ حاکم کو عدل کی دعوت دیتا ہے اور اس کے فوائد بیان کرتا ہے اور رعیت کی وکالت کرتا ہے اور ان کی

شکایتیں حکومت تک پہنچاتا ہے اور حکام کے غل کا دف کرتا ہے اور حکام رشوت خوار کا انسداد کرتا ہے۔ حوادث و واقعات کی تحقیقات کر کے ارباب حل وعقد کو اطلاع کرتا ہے تا کہ اس کا علاج کر سکیں۔ اور حکومت و رعیت ایسے حکام کے ضرر سے محفوظ رہے۔

۱۲۔ اور اگر شخص غیر قوم کے متعلق نا مناسب بات کہے تو دلیلوں اور براہین سے جو عقل مندوں کے نزدیک جو تلوار سے زیادہ مؤثر ہیں اپنی قوم کا دفاع واجب جانے۔

۱۳۔ اور ہر عاقل کے افکار کو تمام عقلاً تک پہنچائے اور اہل دنیا کو ایک دوسرے کے خیالات سے مطلع کرے۔

۱۴۔ حکایات لطیفہ اور ظرافت واشعار بلیغ اپنے قارئین کیلئے کبھی کبھی شائع کرے۔

۱۵۔ قوم کے اجزاء واعضائے منتشر کو جمع کردے۔ اور حیات تازہ سے ان کو زندہ کرے۔

۱۶۔ اور اپنے قارئین کا سیر وسیاحت دنیا سے گھر بیٹھے دل شاد کرے۔

۱۷۔ بیماروں کو جو بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ اطباء اور ماہرین تک پہنچائے اور جاہلوں کی امراء تک رہبری کرے۔

۱۸۔ قوم کے دوست کو دشمن سے تمیز کرائے۔ دھوکا اور فریب کو نہ چلنے دے۔(13)

جرائد کے فوائد اور مقاصد جس کو علامہ افغانی نے محسوس کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخبار ایسے انسانوں کیلئے جو نیکی وسعادت چاہے۔ ایک جہاں نما دوربین ہے۔ ایک طبیب شفیق ہے۔ ایک متواضع معلم ہے۔ ایک سچا ناصح ہے۔ ادب سکھانے والا ہے۔ آنکھ ہے بیدار اور چوکیدار ہوشیار ہے۔ معالج ہے کامل عوام کیلئے۔ تریاق شافی ہے تمام لوگوں کے واسطے اور تنبیہ کرنے والا ہے غافلوں کو۔ اور روح بخشی ہے دل ہائے مردہ کیلئے اور جگانے والا ہے افکار افسردہ کو۔ تنہائی میں جلیس ہے وحشت میں انیس ہے۔ علماء کا سرمایہ ہے۔ تاجروں کا رہبر ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کی فلاحت کا مددگار۔ صناعوں کا استاد۔ جوانوں کا مکتب۔ اربابِ بصیرت کا نورِ دیدہ۔ خداوندان سیاست کا دستور پسندیدہ۔ مدنیت کا مضبوط قلعہ اور سعادتِ انسانی کیلئے مستحکم پہاڑ۔

اخباروں کی ترقی و بلندی اور کثرت قوموں کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ جس قدر علوم و معارف میں قوم ترقی کرے گی اور مدارجِ مدنیت میں بڑھے گی اسی قدت اخبارات کی تعداد زیادہ ہوگی۔(14)

زندگی کے آخری ایام میں علامہ افغانی کو یہ افسوس تھا کہ وہ اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو سرسبز ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکے اور محکوم اقوام کو آزاد دیکھنے کی آرزو پوری نہ ہوسکی۔ انہوں نے جو تخم ملوکیت کے شورہ زار میں ڈالے تھے وہ تو

ضائع ہو گئے تھے لیکن جو تخم ملت کی زرخیز زمین میں کاشت کیے تھے وہ بارآور ہوئے اور ان کی جدوجہد انقلاب آفرین ثابت ہوئی۔اور یہ کامیابی کوئی معمولی چیز نہ تھی۔اس نے تو قوموں کی تقدیریں بدل دیں۔اسلامی دنیا کے داخلی اور خارجی حالات اس قدر بگڑے ہوئے اور ناموافق تھے کہ علامہ افغانی کی یہ آرزو پوری ہونا ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اپنی عظیم جدوجہد کے کامیاب نتائج خود اپنی زندگی میں دیکھ لیں۔یہ زمانہ مغربی سامراج کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا اور برطانیہ، جس سے علامہ افغانی مسلسل برسرِ پیکار رہے، اپنی عظمت وقوت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا ہوا تھا۔اور برطانیہ کے بعد سب سے بڑی سامراجی طاقت روس تھا۔اسلامی ممالک کو ان زبردست طاقتوں کا مدّ مقابل بنانا اور ان کی جارحیت، مداخلت اور تسلط سے اسلامی دنیا کو نجات دلانا کوئی ایسا آسان کام نہ تھا جو علامہ افغانی اپنی زندگی میں مکمل کر سکتے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مصر میں خدیو توفیق جیسا انگریزوں کا حاشیہ بردار، ترکی میں (i)عبدالحمید جیسا ذاتی اقتدار کا بھوکا، ایران میں (ii)ناصر الدین جیسا ظالم و جابر ، اور افغانستان میں (iii)عبدالرحمٰن جیسا مطلق العنان ملک وملّت کی قسمت کا مالک بنا ہوا ہو۔

علامہ افغانی کی زندگی میں ان کی آرزو پوری نہ ہونا ایک یقینی بات تھی جو ہو کے رہی لیکن انتہائی حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی یہ زبردست آرزو، جو تاریخِ اسلام کے عظیم ترین واقعات میں سے ہے، ان کی وفات کے بعد ایک مختصر کے عرصہ میں پوری ہوگئی۔

علامہ افغانی نے اسلامی دنیا میں اصلاحی، انقلابی اور اسلامی تحریکوں کے جو چراغ جلائے تھے وہ برابر روشن رہے۔ان کے رفیقوں، شاگردوں، اور معتقدوں نے ان کی تحریک کو اپنے اپنے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا اور ملتِ اسلامیہ میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔مصر میں علامہ افغانی کی تحریک ان کے نامور شاگردوں محمد عبدہ اور (iv)سعد زاغلول کی قیادت میں منزل مقصود سے ہم کنار ہوئی۔ترکی میں ان کی پھونکی ہوئی روح زندہ و بیدار رہی۔

i) عبدالحمید ترکی کا بادشاہ۔ ii) ناصر الدین، 6 مئی (1314)/1896 ترکی کا بادشاہ۔

iii) عبدالرحمٰن، امیر دوست محمد خان کا پوتا 1844/1260۔

iv) سید افغانی کے شاگردوں میں سعد زاغلول پاشا مشہور ہوئے وہ تحریک آزادی کے سب سے بڑے قائد تھے جامعہ ازہر میں تعلیم پائی۔

صرف چند سال کے مختصر عرصہ میں عبدالحمید کی مطلق العنانی ختم ہوئی اور غازی انور، محمود شوکت، طلعت، نیازی اور سعید حلیم جیسے عظیم محبانِ ملت کی قیادت میں نوجوان ترکانِ احرار نے (i) ۱۹۰۸ء میں دستوری انقلاب کو کامیاب بنایا۔

ایران میں انگریزوں کو تمباکو کا اجارہ دینے کے خلاف زبردست تحریک اور ناصر الدین کے قتل نے استبداد کی جڑیں کاٹ دی تھیں۔ مظفر الدین شاہ ملّی تحریک کا مقابلہ نہ کر سکا اور ۱۹۰۶ء میں دستوری اصلاحات نافذ کی گئیں، جن سے اس کا جانشین محمد علی شاہ منحرف ہوگیا اور اس کا نتیجہ ۱۹۰۹ء کی زبردست بغاوت کی شکل میں نکلا اور محمد علی کو معزول کر کے دستوری نظام قائم کر دیا گیا۔ افغانستان کے عوام میں سیاسی شعور بیدار نہ تھا اور عبدالرحمٰن کی مطلق العنانی برقرار رہی لیکن رفتہ رفتہ وہاں بھی تبدیلی ہوتی رہی اور (ii) امیر امان اللہ خاں کی اصلاحات 1919ء سے اس پس ماندہ ملک میں بھی دستوری نظام کا آغاز ہوگیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے اور انگریزوں کے تسلط سے علامہ افغانی بہت متاثر ہوئے تھے اور برطانوی سامراج کے خلاف ان کے شدید جذبات کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ ہندوستانی مسلمان، جس کی علامہ افغانی کی نظر میں بہت وقعت اور اہمیت تھی، برطانوی استبداد کا شکار ہو رہے تھے اور عالمِ اسلامی کے اتحاد و استحکام کے لیے علامہ افغانی ہندی مسلمانوں کے اتحاد اور آزادی کو بہت اہم تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمانانِ ہند کی آزاد مملکت قائم کرنے کا ایک منصوبہ بھی ان سے منسوب کیا جاتا ہے اور اپنے تبلیغی جہاد کے منصوبے میں بھی انہوں نے اسلامی ہند کو شامل کیا تھا۔ علامہ افغانی کی تحریکِ اتحاد اسلامی نے اسلامیانِ ہند کو سب سے زیادہ متاثر کیا، اور علامہ اقبال نے اس تصوّر میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اسلامی ہند کی ملّی بیداری اسلامی افکار و اسلامی شعور کی رہینِ منت ہے اور پاکستان کا قیام بھی عالمِ اسلام کی آزادی و اتحاد کے لیے علامہ افغانی کے ایک اہم خواب کی تعبیر ہے۔ (15)

---

i) 1908ء میں نوجوان ترکوں نے ملک کو سلطان عبدالحمید کے استبداد سے نجات دلا کر دستوری حکومت قائم کی تھی۔

ii) امان اللہ، 1892ء تا 1360 (عہد حکومت 1919ء تا 1929ء) افغانستان کے بادشاہ حکومت سے علیحدگی سے بعد روم چلے گئے۔

اسلامی کانگریس منعقد کرنے کا جو اہتمام علامہ افغانی نے کیا تھا وہ ناصر الدین شاہ کی وسیسہ کاری کی بدولت ناتمام رہ گیا۔لیکن یہ تصور زندہ رہا۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں مکہ معظّمہ میں اور ۱۹۳۲ میں بیت المقدس میں اسلامی کانفرنسیں منعقد کر کے مٹے ہوئے نقوش کو ابھارنے کی کوششیں ہوئیں اور قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۰ء میں کراچی میں ہونے والی کانفرنسوں نے ملت اسلامیہ کی ایک عالم گیر غیر سرکاری تنظیم مؤتمر عالم اسلامی مستقل بنیادوں پر قائم کردی، جو اب عالمی اداروں میں ملت اسلامیہ کی ایک مؤثر آواز بنتی جارہی ہے۔مسلمانوں میں دینی روابط کو مستحکم کرنے کے لیے جو کوششیں ہو رہی ہیں ان میں رابطہ عالم اسلامی کا قیام خاص اہمیت کا حامل ہے اور یہ ادارہ بھی برابر ترقی کررہا ہے۔(16)

اسلامی ممالک کو متحد کر کے ایک ایسی زبردست طاقت بنا دینا جو حریف طاقتوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے اور اپنی آزادی اور حقوق کا تحفظ کرے،علامہ افغانی کا ایک عظیم منصوبہ تھا اور اب یہ سنہرا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو رہا ہے۔۱۹۶۹ء میں رباط میں مسلمان سربراہوں کی کانفرنس سے اسلامی اتحاد کے ایک زرّیں دور کا آغاز ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں اسلامی ممالک کی تنظیم کا منشور منظور کیا گیا اور اس منشور کو عملی شکل دینے کے لیے فروری ۱۹۷۴ء میں لاہور میں اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔اس کانفرنس کے فیصلوں کے مطابق اسلامی ممالک کی عالمی تنظیم اور متعدد سیاسی واقتصادی ادارے مستقل اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہوگئے ہیں۔اسلامی ممالک کے سیاسی اتحاد اور اقتصادی تعاون کے نظریات عملی حقیقت بن چکے ہیں۔اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ علامہ افغانی کی قائم کردہ فکری بنیاد پر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق وسیع تر اور عظیم تر عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔اسلامی دنیا میں افغانی کی روح اب بھی بیدار و بےقرار ہے۔وہ اس دورِ جدید کے بانی اور نقیب ہیں۔اس دور میں ملوکیت کے شورہ زار جمہوریت کے سبزہ زاروں میں تبدیل ہو رہے ہیں اور ان کے افکار و نظریات کے انقلاب آفرین تخم اب اس زمین میں رائیگاں نہیں جاتے بلکہ بار آور ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

حوالہ جات

1۔ قاضی عبدالغفار، آثار جمال الدین افغانی، انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۰ء۔

2۔ انقلابِ ایران، ص ۱۵۔

3۔ جرجی زیدان، مشاہیر مشرق، جلد دوم، مصر، ص ۶۱۔

4۔ ایضاً۔

5۔ جمال الدین افغانی، المنار، جلد دوم ۱۹۹۹ء، ص ۲۴۶۔

6۔ جمال الدین افغانی، الرّد علی الداھرین (مترجم محمد عبدہ)، مطبع رحمانیہ قاہرہ ۱۹۲۵ء، ص ۸۲۔

7۔ قرآن مجید، ۱۳:۱۲۔

8۔ مترجم محمد عبدالقدوس قاسمی، مضامین جمال الدین افغانی، ادارہ فروغ اردو لاہور، ص ۱۲۷۔

9۔ ایضاً۔

10۔ ایضاً۔

11۔ ایضاً۔

12۔ شاہد حسین رزاقی، سید جمال الدین افغانی (حیات وافکار)، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ص ۱۹۷۔

13۔ آثار جمال الدین افغانی، ص ۱۰۱-۱۰۲۔

14۔ ماہنامہ معلم شفیق، حیدرآباد دکن، دسمبر ۱۸۸۰ء۔

15۔ سید جمال الدین افغانی (حیات وافکار)، ص ۱۹۹۔

16۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔